تو مجھے پتا چلا کہ دنیا میں اتنی اچھی چیزیں بھی ہیں۔ بڑی بڑی مسرتوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی ہیں جن کو ہم اپنی مصروفیتوں میں بھول جاتے ہیں لیکن جو رنج میں ہمارے کام آتی ہیں۔ جو ہر دم ہمارے آس پاس رہتی ہیں' اتنی قریب کہ ہم ہاتھ بڑھا کر انھیں پکڑ سکتے ہیں۔ پرانی پرانی باتیں۔ مثلاً وہ ذہن سے مٹتا ہوا بعید چہرہ جو اس بوڑھی عورت کا تھا جس نے بچپن میں میری نگہداشت کی تھی اور پہاڑ کی ڈھلان پر ہمارا گھر تھا جس کی ٹین کی چھت پر بارش شور مچاتی تھی اور لکڑی کے برآمدے میں بلی نے بچے دے رکھے تھے۔ اور میرا پرانا جوتا جو ایک دفعہ میں نے چلتی گاڑی میں سے باہر پھینک دیا تھا اور پھر اس کے کرم خوردہ خشک چمڑے پر آخری نظر ڈالنے کے بے تاب ہو کر کھڑکی میں سے جھانکنے لگا تھا۔ اور جنگلی کبوتر جو ہمارے گھر میں رہا کرتے تھے اور وہ بوڑھا قلاش جس کو میں نے اپنی پرانی اونی جرابیں دے دی تھیں اور جب وہ شکریے کے الفاظ بڑبڑا رہا تھا تو رال بہہ کر اس کی داڑھی پر اٹک گئی تھی اور دھوپ میں چمکنے لگی تھی۔ اور راستے کے کنارے اگا ہوا وہ اکلوتا پھول جس کے پاس سے جانے کے بعد میں دور سے واپس [illegible] اس کی پتیاں خاموشی سے جھڑ گئی تھیں۔ یہ اور کتنی ہی ایسی باتیں دنیا میں اتنی حسین [illegible] ہیں۔ دارجلنگ میں میں نے طلوع سحر کا منظر دیکھا تھا۔ جب ٹائیگر ہل پر سے سورج نکلتا ہے۔"

"ارے ہاں اتنا بڑا توے کا توا میں نے دیکھا ہے۔" عذرا نے کہا۔ "تم نے بھی دیکھا ہے؟"

"[illegible] کے ساتھ کہ انسان کے دل [illegible] امنگ پیدا ہوتی ہے اور کوئی حسرت باقی نہیں رہتی۔" وہ رکا۔ "اور پھر میدان جنگ کی وہ رات تھی۔ وہ پرستان کی رات ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے جب مسلسل برف باری کے بعد چاند نکل آیا تھا اور ہم خندقوں میں بیٹھے تھے۔ برف تمام رات ترپالوں پر گرتی رہی تھی جو ہم نے اپنے بچاؤ کے لئے خندقوں پر پھیلا رکھی تھی اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کوئی ایک اٹھ کر باہر دیکھتا اور دوسرے اس سے پوچھتے۔ 'برفباری رک گئی؟' اور وہ مایوسی سے سر ہلاتا ہوا آگ کے قریب آ کر بیٹھ جاتا جو ہم نے اکڑ کر مر جانے کے ڈر سے جلا رکھی تھی۔ حتیٰ کہ سب ایک ایک کر کے سو گئے پر میں ترپال اٹھا کر خندق کی دیوار کے ساتھ کھڑا رہا۔ برف ننھے ننھے پھوہوں میں گر رہی تھی اور بادلوں میں چھپے ہوئے چاند کا مدھم اجالا اور سناٹا رات میں پھیلا ہوا تھا اور برف نے دشمن انسانوں کے اس وسیع سمندر کو ڈھک دیا تھا کہ دفعتاً چاند نکل آیا۔ برفباری تھم گئی۔ دشمن کے مورچوں میں کوئی گٹار بجانے لگا اور میں نے دیکھا کہ رات اس قدر سفید' اس قدر حسین تھی۔ دائیں بازو کا سارا جنگل برف پوش تھا اور اونچی نیچی زمین پر اور دور دور پہاڑیوں پر چاروں طرف برف تھی اور وہ اس قدر پُرامن اور آسمانی رات تھی کہ جنگ کا شبہ تک نہ گزرتا تھا۔ ساز کی آواز سن کر مجھے خیال آیا کہ وہاں پر بھی ایک شخص جاگ رہا ہے اور میری طرح بچپن کی باتیں' اپنا گھر اور اپنا گاؤں یاد کر رہا ہے اور مجھ سے بدظن اور پوشیدہ ہونے کے باوجود اس وقت جنگ کا خیال اس کے ذہن سے محو ہو گیا ہے۔ منظر اس قدر سحر آلود منظر تھا کہ زمانہ حال کا حصہ ہونے کی بجائے بھولا بسرا واقعہ معلوم ہوتا

تھا۔ میرے دل پر وہ رات نقش ہو کر رہ گئی اور گو کہ اس وقت میں خائف اور تھکا ماندہ اور مصیبت زدہ تھا اور میرے بالوں میں کیڑے تھے اور گو کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد میں ساری دنیا سے بدظن ہو گیا تھا لیکن اس سے میں معصوم تھا اور حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ سناٹے میں ساز کے ایک ہی تار کے مسلسل بجنے کی آواز آ رہی تھی جیسے وہ بار بار اپنے بچپن کو یاد کر رہا ہے اور گاؤں کی برف کو یاد کر رہا ہے۔'' اس نے کھینچ کر عذرا کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''اور ایک وہ نظارہ تھا جو میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ بچا ریت پر کھڑے ہیں۔ ان کا مرغوب سفید لباس زیب تن ہے

UrduPhoto.com

کر کے دروازے تک جاتی' درزوں میں سے جھانک کر دیکھتی اور اطمینان سے سر ہلاتی ہوئی واپس آ جاتی تھی کہ اس کا بیٹا اور بہو اسی طرح باتیں کرتے کرتے سو گئے۔ وہ دیر تک جاگتی رہی۔

چند روز کے بعد عذرا اسے دلی لے آئی اور روشن محل میں اس کا باقاعدہ علاج ہونے لگا۔

عذرا نے ٹھیک کہا تھا۔ نعیم نے واقعی سوچنا شروع کر دیا تھا' گو اس میں اس کی شعوری کوشش کا دخل کم ہی تھا۔ یہ زیادہ تر اس کی بیماری اور طبعی حرکت کے رک جانے کا قدرتی نتیجہ تھا۔ اس نے کبھی اتنی بے عمل زندگی نہ گزاری تھی۔ جیل کے طویل سالوں میں بھی نہیں۔ جسمانی معذوری اور دل کی غمخواری کے باعث اس کے پاس زندگی کا ایک راضی بہ رضا نظریہ تھا۔ اس نے کبھی سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی تھی۔ زندگی میں واقعات اتنی تیزی سے اور اس قدر بے اختیاری طور پر رونما ہوتے تھے اور انہوں نے اس طرح اسے آگے آگے چلایا تھا کہ نظریہ قائم کرنے کی اس کو مہلت ہی نہ ملی تھی۔ لاشعوری طور پر اس نے زندگی کے خارجی اثرات کو' اتفاقات اور حادثات کو قدرت کی برتر طاقتیں تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیا تھا۔ ذہنی بیچارگی کے اس عالم کو اس نے محسوس ہی نہ کیا تھا۔ اس نے تو ذہن کے باہر رہ کر عمر گزاری اور دنیا دیکھی تھی اور یہ عمل اسے خاصا دلچسپ اور سہل لگا تھا۔ سوچ سے وہ ہمیشہ گھبراتا رہا تھا۔ وہ اس زندگی کا' جس کے آگے آگے وہ بھاگا جا رہا تھا' عادی ہو چکا تھا اور [illegible] بدلنے سے روک رکھا تھا۔ گو یہ عادی' بلکہ جبلی زندگی' جو وہ بسر کر رہا تھا' اسے کچھ راس نہ آئی تھی۔ اس نے اسے کئی جسمانی اور دلی روگ دیئے تھے اور [illegible] غمخواری نے اسے کھوکھلا کر دیا تھا' لیکن اتنی ستم گیری کے بعد نامعلوم کا خوف انتہا کو پہنچ چکا تھا اور وہ کسی بھی صورت کوئی نیا حادثہ تلاش کرنے کی ہمت اپنے میں نہ پاتا تھا۔ چند ایک بار واقعات کی زد میں آ کر جو وہ سوچنے پر مجبور ہوا تھا تو اس نے ایک عجیب سی ذہنی کوفت محسوس کی تھی جس نے اس کے لاشعور میں سوچ کا اور تغیر و تبدل کا خوف بٹھا دیا تھا۔ ایک سخت کوش جسم کے سہارے' اپنی لاعلمی میں وہ یہی سمجھ گیا کہ یہ زندگی جو وہ بسر کر رہا تھا اصل آرام دہ اور پرسکون زندگی تھی اور یہ کہ کبھی کبھار آفتیں تو آیا ہی کرتی ہیں۔ اور اصل آفت وہ ہے جو ذہن و روح پر آتی ہے اور جس سے دل کا سکون غائب ہو جاتا ہے اور ڈر کے مارے آدمی نیند میں اٹھ بیٹھتا ہے۔

لیکن جس طرح چلتے ہوئے انجن کے دفعتاً روک دیئے جانے پر زائد بھاپ کے اخراج کے لئے 'سیفٹی والو' کھل جاتا ہے۔ اسی طرح چارپائی کے ساتھ لگ جانے سے اس کے ذہن کی کھڑکی' جو نامعلوم پر کھلتی تھی' وا ہو گئی۔ پہلے اس نے کھڑکی کے اندھیرے میں دیکھنے سے احتراز کیا' پھر جب کوئی چارہ نہ ملا تو ٹھٹکا کر آنکھیں ملائیں۔ جیسے ایک بچے کو لا کر اندھیرے میں چھوڑ دیا جائے تو آنکھیں بند کر کے رونے لگتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ چپ ہو جاتا ہے اور ہچکچاتا ہوا آنکھیں کھولتا ہے۔ بند کر لیتا ہے کھولتا ہے بند کر لیتا ہے' آخر جب اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو مٹھی میں ہاتھ مار کر کھیلنے لگتا ہے۔ پھر جب اس کو اپنی موجودگی اور اپنے آس پاس کی

دنیا کی موجودگی کا یقین ہو جاتا ہے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دوستی کے انداز میں ہاتھ بڑھا کر چلنے لگتا ہے۔ اسی طرح سوچنے کے عمل نے نعیم کے ذہن پر کام کیا تھا۔ جب اس نے پہلی بار اعتماد کے ساتھ اس کے اندر جھانکا تو یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اس کا ذہن کنواری زمین کی طرح تھا' ان غیر آباد جزیروں کی طرح تھا جہاں صرف خود رو پھول اور پودے اگتے ہیں' ان اجنبی سمندروں کی طرح تھا جن میں کبھی جہاز رانی نہ کی گئی تھی۔ جب وہ پورے یقین کے ساتھ سوچنے لگا تو ذہنی کوفت کے ساتھ ساتھ اسے اطمینان بھی نصیب ہوا۔ اندھیرے میں جگہ جگہ روشنیاں پھوٹنے لگیں۔ اس اجالے میں اس نے بہت سی چھوٹی چھوٹی خوش کن باتیں دیکھیں۔ اس کی حالت بلی کے اس نومولود بچے کی مانند تھی جو کئی روز تک آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے اجالے کو جذب کرتا رہتا ہے اور جب اس کی آنکھیں کھلتی ہیں تو بہت خوش ہوتا ہے۔

اس کے باوجود چند دھندلی شکلیں تھیں جو اس کھڑکی کے اندھیرے اجالے میں دور دور بکھری ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی وہ خوفناک حد تک قریب آجاتیں۔ ایک وہ ڈھلکی ہوئی مونچھوں والا عظیم' ہنستا ہوا مردہ چہرہ تھا جس پر مدھم چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک وہ بوڑھے بیل کی طرح جھول کر چلتا ہوا ہیولا تھا جو تاریک قبرستان میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا جب کہ خوبانی کے سفید شگوفے ان کے سروں پر گر رہے تھے اور اسے عجیب سا احساس ہوا تھا کہ وہ مرے ہوئے آدمی کے ساتھ چل رہا ہے۔ ایک اس غیر ملکی کا چہرہ تھا جس کی سادہ' بے فن آنکھیں تھیں جو ایک چھوٹے سے [illegible] اپنی شخصیت [illegible] پر دولت اور طاقت کا احسان عظیم کیا تھا اور اسے احساس ہوا تھا کہ اگر وہ اجنبی سب کچھ جانتا ہوتا تو بھی یہی کرتا کہ آخر اس سے کیا فرق پڑتا ہے...... اور ایک عذرا تھی جس کے لئے محبت کا جذبہ قریب قریب ناپید تھا لیکن جس نے اسے احساس شکست بخشا تھا۔ یہ عذرا کا نیا روپ تھا۔

(۳۴)

اپنے ہفتہ وار سرسری معائنے کے بعد ڈاکٹر انصاری نے حسب معمول سٹیتھو سکوپ بیگ میں رکھا اور شیشے کے جگ میں سے پانی انڈیلنے لگے۔ دو گھونٹ پانی پینے کے بعد گزشتہ ہفتے کی طبی رپورٹ دینے کی بجائے وہ گلاس کو ہاتھ میں پھراتے رہے۔ پھر گہری نظروں سے نعیم کو دیکھ کر بولے:

''تمہیں مذہب پر یقین ہے؟''

نعیم کے چہرے پر ہلکا سا تغیر بکھر گیا۔ وہ اداسی سے ہنسا۔

''یہ آپ نے کیوں پوچھا؟''

گلاس کو ہاتھوں میں پھراتے ہوئے وہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئے اور بولے: ''مذہب آج بھی ہماری مدد کر

سکتا ہے۔ سائنس کی حیرت انگیز ترقی کے اس دور میں بھی مذہب اعلیٰ ترین قوت ہے۔ ایک ڈاکٹر کی زبان سے یہ سن کر تمہیں تعجب ہوگا لیکن یہ حقیقت ہے کہ روحانی طمانیت 'بلڈ پریشر' کو معمول پر لانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔"

نعیم دوبارہ بے چینی سے ہنسا۔

"بیماری ایک ناگہانی آفت ہے۔ یہ کبھی منصوبہ بنا کر نہیں آتی۔ یہ کسی منصوبہ بندی کے ساتھ اس کا مقابلہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا ہمارے پروگرام میں شامل نہیں ہوتا۔ جیسے اچانک یہ آتی ہے اسی طرح اچانک اپنی قوتِ مدافعت کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ یہ قوت کسی بیرونی ادارے یا ڈاکٹر یا ہسپتال سے نہیں آتی' ہمارے اور آپ کے اندر موجود ہوتی ہے۔ ہم میں سے بعض اس سے آشنا ہوتے ہیں اور بعض ناآشنا۔ آج تک کوئی آلۂ جراحی یا کوئی دوا ایسی ایجاد نہیں کی گئی جس میں عبادت سے بڑھ کر Healing Power ہو۔ مذہب......"

"آپ کی مراد کون سے مذہب سے ہے؟" نعیم نے بات کاٹ کر پوچھا۔

"اس سے کوئی فرق نہیں [illegible]" گو ہمارے ماں باپ کا مذہب ہمیں عزیز ہوتا ہے اور ہم میں سے اکثر تندہی سے اس کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں اور دوسرے مذہب کے متعلق سوچنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے لیکن مذہب کسی کے لئے برائی کا باعث نہیں بنتا۔ مذہب ایک بھی اور دوسرا بھی اور تیسرا بھی سب ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ ایک کے ماں باپ کا مذہب اور دوسرے کے ماں باپ کا مذہب دونوں ان کی بھلائی کے لئے [illegible] مذہبوں میں موجود ہے۔ بہتری کی طرف جانے کا ایک ہی راستہ ہے جو سارے دینوں میں موجود ہے۔ عبادت۔ جو روح کی رہنمائی کرتی ہے۔ جو انسان کی سب سے بڑی ایجاد' سب سے بڑی قوت ہے۔ میں کیا مسیحائی کر سکتا ہوں۔ میری قلعی اس وقت کھلتی ہے جب میں بیمار پڑتا ہوں۔ اس وقت اگر تم مجھے دیکھو تو مجھ پر لعنت بھیجو۔"

نعیم لیٹا لیٹا کسمسایا۔ "مذہب پر ایمان لاتے لاتے ڈاکٹر صاحب میں ذرا بوڑھا نہیں ہو چکا ہوں؟" اس نے اپنے مخاطب کو' جو بیچ میں بولنا چاہتا تھا' ہاتھ سے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ "جو کچھ میں نے کھویا ہے اسے حاصل کر سکتا ہوں؟"

"تم اس طور پر نہیں سوچ سکتے۔ تم نے کیا کھویا ہے؟ اس بیماری پر تم یقیناً قابو پا سکتے ہو۔" ڈاکٹر نے کہا۔

نعیم نے ایک پھسلتی ہوئی نگاہ اپنے بازو پر ڈالی۔ ڈاکٹر اس کے سوال کی نوعیت کو محسوس کر کے ایک لمحے کو دل میں کانپ گیا۔ لیکن نعیم نے گہرا سانس چھوڑ کر سر ہلایا۔

"ساری عمر..... زندگی میں میں نے کیا پایا ہے؟ ساری عمر۔ میں نئے سرے سے زندگی بسر کر سکتا ہوں؟"

"یقیناً۔ صرف تم یہ نہیں کر سکتے کہ 1910ء میں واپس چلے جاؤ یا دنیا میں جو واقعات پیش آئے ان کو بدل دو۔ لیکن تم اس سال بلکہ اس دن اور اس لمحے کو نیا لمحہ بنا سکتے ہو۔ ایک نئے انسان۔"

"دنیا کے واقعات؟ ہمم۔ میں اپنی زندگی کے واقعات کی بات کرتا ہوں۔"

ڈاکٹر انصاری نے بے چینی سے پہلو بدلا اور ہاتھ کو خفیف سی جنبش دی۔ ’’تم وقت کی بہر طور تسخیر نہیں کر سکتے۔ یہ ایک مابعد الطبعیاتی عمل ہے۔ مذہب جادو یا ایسی کوئی چیز نہیں۔ یہ تو ایک سیدھی صاف اور مثبت قوت ہے جو ہمیشہ آگے کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ بناتی اور سنوارتی ہے۔ بگاڑنے یا نفی کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں' تم اپنی زندگی کو آج ہی سے ایک نئے ڈھب سے شروع کر سکتے ہو۔ اگر تم ماضی کو بھلا دینے پر اپنے آپ کو آمادہ کر سکو تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے تم ابھی پیدا ہوئے ہو۔ تمہارا دل و دماغ اور تخیل جوان ہو سکتے ہیں اور زندگی......‘‘

’’تو پھر مذہب کی کیا ضرورت ہے؟‘‘ نعیم نے چڑ کر پوچھا۔

’’مذہب؟ قوہ...... نیا انسان بننے کے لئے ایک نظریے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذہب ہمیں وہ نظریہ مہیا کرتا ہے۔ ٹھہرو' مجھے بتاؤ۔ اب تمہارے پاس کیا ہے؟‘‘ وہ رکے۔ ’’تاسف اور احساس جرم اور پشیمانی؟ اس اثاثے کے بل پر تم کیا کر سکتے ہو' کہاں تک جا سکتے ہو؟ اس بیماری ہی کا مقابلہ کر سکتے ہو؟ تم اپنی گزشتہ زندگی کے متعلق سوچتے ہو اور اسے تلف کرنے کی فکر میں ہو حالانکہ یہ تمہارے بس سے باہر ہے۔ یہ بھی ممکن ہے جو تم اپنا ذہن کھو دو۔ تم یہ سب جانتے ہو اور مافوق الفطرت باتیں سوچتے ہو اور خطرناک حد تک بیمار ہوتے جا رہے ہو۔ تم قطعی لاحاصل بھاگ رہے ہو' آہستہ آہستہ اپنے آپ کو ختم کر رہے ہو' اپنے وجود کو بے مصرف بنا رہے ہو' اپنے لئے اور دوسروں کے لئے۔ اس وقت تمہیں ایک مثبت نظریے کی ضرورت ہے' ایسی قوت جو تمہیں اتنی تیزی سے آگے کی طرف چلائے [illegible] گزرے ہوئے وقت سے آزاد کر دے' جو تمہارے معصیت زدہ ذہن کو جھنک دے۔ میں جانتا ہوں' تمہارے دماغ میں کسک ہے جو نقصان عظیم کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح تم زیادہ دیر تک نہیں جا سکتے۔‘‘

’’اپنے آپ کو دھوکا مت دینا ہے' ڈاکٹر۔‘‘ نعیم نے بے حد اکتا کر کہا۔ ’’تو مذہب کو بیچ میں کیوں لاتے ہیں۔ اگر اپنے آپ کو یہی کچھ بتانا ہے کہ دیکھو بھائی اب تک جو کچھ ہوا اسے تو بھول جاؤ اور نئے سرے سے پروگرام شروع کرو۔ زندگی صحت مند نظریے کی مدد سے ہی خوشگوار بن سکتی ہے چنانچہ سب سے پہلے تو نظریہ حاصل کرنے کی کوشش کرو۔‘‘ تو جناب اس میں مذہب کہاں سے آ گیا۔ یہ تو ہم محض تخیل کے بل پر یا تھوڑے سے فلسفے کی مدد سے بھی کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ چند مادی فوائد کے لئے مذہب کو استعمال کرنا تو میرے خیال میں......‘‘

ڈاکٹر انصاری خاموش بیٹھے سرخ ہوتے رہے مگر بولنے سے پہلے انہوں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا۔

’’میں مذہب کی اس زاویے سے تشریح کر رہا تھا جس زاویے سے تم نے اسے دیکھا۔ یہ مذہب کی ہمہ گیری ہے کہ ہم اس سے مادی فوائد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ ورنہ مذہب تو ہمیں اس دنیا میں لے جاتا ہے جہاں اس کا تصور بھی محال ہے۔ یوں مادی فوائد سے کوئی مذہب کسی کو منع نہیں کرتا۔ لیکن اگر آپ اسے محض روحانی رہنمائی کی خاطر استعمال کرنا چاہیں تو آپ کی خوش بختی ہے۔ مذہب کا سب سے بڑا آلہ عبادت ہے۔ عبادت' جو انسان کی شخصیت کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ایک جذبہ بن جاتی ہے' جو انسان کو اپنے اندر جھانکنے کی استطاعت بخشتی ہے۔ آج تک

UrduPhoto.com

جس کسی نے اپنے آپ کو جانا اور پہچانا ہے اس کی بساط عبادت نے اس میں پیدا کی ہے۔ یہ وہ راستہ ہے جس پر چلتا ہوا آدمی ساری دنیا میں گھوم گھام کر پھر اپنے آپ تک آ پہنچتا ہے۔ وہ خفیہ اور تنگ راستہ جو انسان کی اپنی ذات پر آ کر ختم ہوتا ہے اور پھر اندر اتر جاتا ہے اور جب آدمی ڈرتا ہوا جھجکتا ہوا اپنی ذات میں داخل ہوتا ہے تو راستہ روشن اور کشادہ ہوتا جاتا ہے اور اس مقدس روشنی تک پہنچنے کا جذب جو راستے کے اختتام پر نظر آتی ہے اسے پالینے کی دیوانی خواہش انسان کو آگے چلاتی جاتی ہے اور اسے ایک مقصد عطا کرتی ہے اور جب وہ مقصد شخصیت کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو انسان اپنی ذات میں گم ہو جاتا ہے۔ پہلے شعور کے پردے اٹھتے ہیں' پھر آہستہ آہستہ لاشعور کے در وا ہوتے ہیں اور جب وہ آفاقی سطح پر پہنچ جاتا ہے تو ہر ذرے میں دیکھنے اور اسے جاننے لگتا ہے۔ پھر وہ سلیمانی ٹوپی پہن کر بازاروں میں پھرتا ہے' دنیا کے ہنگاموں میں منزل منزل گھومتا ہے اور لوگ صرف ایک گمنام اور قناعت پسند آدمی کو جانتے ہیں' کیونکہ جو کچھ وہ دیکھتا ہے اور کوئی نہیں دیکھتا اور جو کچھ وہ جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس طرح چپکے چپکے وہ زندگی کی بنیادی سچائی اور حقیقت کی کھوج میں لگا رہتا ہے اور اسی کھوج میں اسے سکون مل جاتا ہے۔ سکون' جو دنیا کی تمام آسائشوں کے مقابلے میں ڈھال ہے۔

"تخیل اور فلسفے کے متعلق تم کیا کہہ رہے تھے؟ تم تخیل کی بنیاد کس پر رکھتے ہو؟ تخیل کو تم بغیر کسی وجہ کے عمل میں نہیں لا سکتے۔ ذہن کو اور خیالات کو مرنے سے بچانے کے لئے تمہارے پاس کوئی وجہ' کوئی دلیل ہونی چاہیے اور تمہیں [illegible] اپنے دماغ [illegible] بھٹکتے ہوئے خیالات کی بنیاد تم Nothingness پر نہیں رکھ سکتے۔ ایسا اگر کبھی کرو گے تو کسی خاص سمت میں بڑھنے کی بجائے تمہارے خیالات تیزی سے ادھر ادھر بکھر جائیں گے اور دماغ کو پاش پاش کر دیں گے۔ سمت جو خیالات کو ملتی ہے اسی تلاش سے آتی ہے جو آدمی اپنے وجود کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے جاری کرتا ہے۔ اس کے بغیر تخیل بیکار ہے۔ یہی حال فلسفے کا ہے۔ فلسفیوں کو آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ مادے کی اصل ماہیت کیا ہے اور اس کا کوئی اپنا الگ وجود بھی ہے یا محض ہمارے دماغ کی اختراع ہے۔ دنیا کے تمام فلسفوں میں سے اگر خدا کے تصور کو نکال لیا جائے یا اس قوت کو جو کہ کائنات اور انسانی زندگی میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے' تو یہ سب کے سب ایک دوسرے کی نفی کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور سوچنے والے کو پاگل کر دیتے ہیں۔"

آواز کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے بولنا چاہا جیسے اپنی بات کو جاری رکھنا چاہتے ہوں' پھر اس ارادے کو ملتوی کر دیا اور گلاس میں بچے ہوئے پانی کو گلے میں انڈیل کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے۔ نعیم آرام سے لیٹا ڈاکٹر کو دیکھے جا رہا تھا۔ صرف اس کے ملکے سے تمتمائے ہوئے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اندر سے ہل چکا تھا۔ عذرا نے بے دھیانی سے سب کچھ سنا تھا لیکن اب جو بھاری پُراسرار فضا کمرے پر طاری ہو گئی تھی اسے منتشر کرنے کے خدشے سے ہلتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ وہ بے چینی سے آنکھیں ادھر ادھر گھماتی ہوئی دونوں

UrduPhoto.com

مردوں کو دیکھ رہی تھی اور ان کے جذبات کی ہلچل سے خوفزدہ تھی۔

ڈاکٹر انصاری اُٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے اور ہاتھ بڑھا کر یوکلپٹس کے پتوں کو آہستہ سے چُھوا۔ ''یہ صبح دیکھ رہے ہو؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے خوشی سے بولے۔ ''اللہ تعالیٰ کی دنیا پر ہر ایک صبح بے حد دلکشی اور انوکھے پن کے ساتھ طلوع ہوتی ہے۔''

انہوں نے مسکرا کر نعیم کو دیکھا' پھر قریب آ کر آہستہ سے اس کا کندھا تھپتھپایا اور بیگ اٹھا کر باہر نکل گئے۔ برآمدے میں وہ شفقت سے عذرا کے' جو ان کے پیچھے پیچھے نکل آئی تھی' کندھے پر جھک کر بولے: ''اسے اکیلا چھوڑ دو۔''

اندر وہ ایک بے زبان' صابر بچے کی طرح بظاہر سکون سے لیٹا تھا' اس کے ہونٹوں پر ابھی تک وہ اداس' الوداعی مسکراہٹ تھی جو ڈاکٹر کو جاتے ہوئے دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اس کی بڑی بڑی' کالی سے حرکت کرتی ہوئی متلاشی آنکھوں میں بے دھیما' سلگتا ہوا' مستقل کرب عیاں تھا۔ دھوپ ہر روز کی طرح اس کے بستر کو چھونے کے بعد اب واپس جا رہی تی۔ کبھی کبھی ہوا کا جھونکا آتا تو یوکلپٹس کی بو اس کی ناک میں داخل ہوتی جس سے وہ تنگ آ چکا تھا۔ شاخ پر ایک ننھی سی بے آواز چڑیا آ کر بیٹھ گئی تھی۔ یا اللہ یہ خدا نے کیا مقام کی ایک خوبصورت اور انوکھی صبح تھی جو ہر [illegible] کیا ہم نہیں اپنے چھوٹے چھوٹے حقیر گھروں میں بیٹھ کر باہر طلوع ہوتے ہوئے دن کو دیکھتے رہیں گے؟ کیا ہم اسے کبھی نہیں چھو سکتے۔ کیوں؟ کیوں؟

رہبری کے لئے وہ ایک بے نظیر شے ہے۔ یا جیسے ایک عقلمند دوست مشورہ دیتا ہے۔ یا کیا اس کی جگہ اس سے بھی اہم ہے؟ اچھا تو پہلے یہ بتاؤ کہ مذہب کے بغیر ہم کیا نہیں کر سکتے؟

کھانا کھا سکتے ہیں' سو سکتے ہیں' ہل چلا سکتے ہیں' پھول اگا سکتے ہیں' سفر کر سکتے ہیں' اور..... یہ تو بکواس ہے۔ اچھا تو لو' مذہب کے بغیر بارش بھی ہوتی ہے۔ سیلاب بھی آتے ہیں' وبا بھی پھیلتی ہے' یہ بھی فضول ہے۔ البتہ شادی نہیں کر سکتے۔ مردے کو نہیں دفنا سکتے اور کچھ بھی ہو بھائی' کچھ بھی ہو' دو باتیں تو نہیں ہو سکتیں نہ ایک ساتھ تو بہر حال نہیں ہو سکتیں۔ یعنی ایک بات سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی' یہ تو قطعی ناممکن ہے۔ یا آپ خدا پرست ہوتے ہیں یا دہریے ہو سکتے ہیں یا گنوار ہو سکتے ہیں پر سب ایک ساتھ تو نہیں ہو سکتے۔ ایک بات سچ ہے اور دوسری بات جھوٹ' صاف جھوٹ۔ لیکن سچ۔ سچ کیا ہے؟ کچھ تو ہے' جس کا پتہ نہیں چلتا' کچھ' کچھ نہ کچھ لعنت ہے۔ کیوں میں نے اتنی دیر تک احمقوں کی طرح کچھ سوچا ہی نہیں؟ کبھی سوچ ہی نہیں آئی' حد ہے بھئی' کیسے کیسے نالائق لوگ بھرے پڑے ہیں دنیا میں' یعنی سچ کو جاننے کے لئے لوگوں نے عمریں گنوا دیں اور میں کیا کچھ دیر کے لئے اطمینان سے لیٹ کر سوچ بھی نہ سکتا تھا؟ سخت افسوس کی بات ہے۔ اب مجھے اور ڈاکٹر کو ہی لے لیجئے۔ مجھے

روحانیت کی کوئی سوجھ بوجھ ہی نہیں اور وہ ہوا کٹر مذہبی آدمی۔ ہم دونوں کا اسلوب خیال' نقطہ نظر اور زندگی بسر کرنے کا نمونہ ایک دوسرے سے قطعی مختلف اور ہم کیسی شائستگی اور اطمینان سے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات قائم کیے رہے۔ بظاہر ایک ہی سمت میں بڑھتے رہے' صحت اور کامیابی کی طرف' ایک دوسرے کی روحانی زندگی جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی' سوائے آج کے۔ تو...... وہ کیا ہے جو اس مخالفانہ رویے کے باوجود محض دو انسانوں کی حیثیت میں ہمیں ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ جو ہمیں محض سوجھ بوجھ کی بنا پر یہ سمجھنے کی طاقت دیتا ہے کہ یہ دوسرا شخص بھی اتنا ہی سادہ دل اور محبت اور دوستی کا اہل ہے جتنے کہ ہم ہیں۔ کیا یہ خدا ہے؟

مگر سوال یہ ہے بھائی کہ فائدہ کیا ہوا۔ جب تک ہمیں اس کا علم نہ تھا کیا ہو گیا تھا؟ ڈاکٹر اور مریض یا میاں اور بیوی کے تعلقات میں خدا کہاں آتا ہے۔ اس سہانی صبح کے حسن کو محسوس کرنے اور اس کی تعریف کرنے میں کسی اور چیز کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کیوں خواہ مخواہ ساتھی انسانوں کی قدرتی زندگیوں کے پیچھے دیکھنے کی کوشش کریں جب کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں؟ کیوں عذرا...... ابھی تک کیا کر رہی ہے؟ میں اس سے بات کروں گا۔ وہ نیچے والے برآمدے میں ڈاکٹر سے بحث کر رہی ہوگی۔ وہ یقیناً کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر کو قائل کر لے گی۔ وہ بیحد عقلمند ہے۔ وہ کتنے بے بس مگر پُر اثر انداز میں اپنا نظریہ اس کی رائے پر ثبت کر دے گی۔ [illegible] کا نظریہ؟ اس کا نظریہ ہمیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ جو کچھ میں نے کھویا ہے۔ جو کچھ میں نے...... ابھی ابھی ہلکے ہلکے قدموں سے چلتی ہوئی [illegible] ہے جیسے ماؤنٹ ایورسٹ کو دیکھتے ہیں یا بدھ کے مندر کو (وہ ہنسا)۔ ابھی ابھی جو گاڑی سڑک پر سے گزری ہے میں بتا سکتا ہوں کہ رائے بہادر کیدار ناتھ کی اوپل ہے۔ اسی طرح بغیر دیکھے ہوئے میں سب کی گاڑیاں الگ الگ بتا سکتا ہوں۔ کہ یہ ٹھاکر طلبیر سنگھ کی فورڈ ہے اور یہ کاڈلاک ہے اور یہ فلاں۔ یہاں پڑے پڑے لیٹے میں ان کے انجنوں سے اسی طرح واقف ہو چکا ہوں جیسے گھوڑا اپنے تانگے سے ہو جاتا ہے۔ میں ان سے تنگ آ چکا ہوں۔ صرف میں انکی چمکدار شفاف جسموں کو پسند کرتا ہوں' اور ننھے بے آواز پرندوں کو جو کچھ دیر بیٹھ کر اڑ جاتے ہیں۔ لیکن سچ بالا تر ہے اور اس کے بغیر۔ مجھے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے۔ کہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

باوجود ان سب چیزوں کے۔ لیکن سچ کی تلاش میں جو وقت ہم ضائع کرتے ہیں' جو قوت اور دلچسپی ہم کھوتے ہیں اس کے بدلے میں کیا ملتا ہے؟ آج اگر میں مان لوں کہ کائنات کے تمام ظواہر کو چلانے والی ایک برتر ہستی ہے جو سب کی خالق بھی ہے تو کیا فرق پڑے گا؟ یہ بھی مان لیا کہ مذہب ہی ایک رستہ ہے جس کے ذریعے ہم اس ہستی کو محسوس اور تسلیم کرتے ہیں' پھر؟ پھر کیا ہے' کچھ بھی نہیں۔ میں اسی طرح لیٹا ہوا ہوں اور ایک مکھی مجھے تنگ کر رہی ہے۔ ابھی عذرا آئے گی اور پاس بیٹھ کر محبت سے مجھے دیکھے گی یا کتاب پڑھنے لگے گی اور مجھے جانے کیوں ندامت سی ہوگی۔ اور ڈاکٹر ہر روز آئے گا اور اس وقت تک جب تک کہ پھر باتیں کرنے کی خواہش اس پر غلبہ نہیں پا لیتی دوا دے کر چلا جایا کرے گا اور اس کا نظریہ اور میرا نظریہ لیکن بیچ میں نہ آئے گا۔ میں ہل بھی نہیں سکتا۔ میں

یوکپٹس کی چھتوں کی اس بُو سے بھی نجات حاصل نہیں کر سکتا جس سے میں تنگ آ چکا ہوں۔ پھر کیا فائدہ! کیا یہ ایسا ہے کہ خدا واقعی ہے اور مجھ سے ناراض ہے کہ اب تک میں نا سمجھ رہا۔ ہنہ۔ میں تو نا سمجھ ہی پیدا ہوا تھا۔ میری تو سمجھ میں آتا ہے کہ مذہب کے راستے پر چل کر ہم پہلے نظریہ بنا لیتے ہیں پھر عقیدہ آپ سے آپ آ جاتا ہے، سچ پر آئے چاہے جھوٹ پر۔ ہمیں بہرحال اطمینان کے ساتھ مرنے کا آسان نسخہ ہاتھ لگ جاتا ہے۔ (وہ دوبارہ ہنسا)

کھڑکی میں چند چڑیاں شور مچا رہی تھیں۔ نعیم نے کاہلی سے سیدھے ہاتھ کی مدد سے انھیں اڑایا اور اداسی سے باہر دیکھتا رہا۔ طبعی لحاظ سے وہ مسکین تھا، روحانی طور پر پُرنخوت! خدائے لامقام کی اس نکھری ہوئی خوشگوار صبح کو دیر تک اس کا ذہن اس تکلیف دہ جستجو میں کھویا رہا اور اس کے سر پر مصیبت اور دکھ کے سائے منڈلاتے رہے۔

(۳۵)

اس صبح کو سب سے پہلی آواز جو عذرا نے سنی راج ہنس کے جوڑے کی تھی جو برآمدے کے آگے سے گزر رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے بستر میں کسمسائی۔ رات بھر بادل گرجتا رہا تھا اور بارش دریچے کے شیشوں پر برستی رہی تھی۔ گہری غنودگی کی حالت میں اس نے رات بھر کی بے آرامی کے متعلق سوچا اور دوبارہ سونے کی کوشش کی۔ لیکن دونوں پر وقار [illegible] سر نرم تکیوں پر رکھے راج ہنسوں کی بولی اور اس سے پرے شروع ہوتے ہوئے دن کی دھیمی، خوابناک آوازوں کو سنتی رہی۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے لیے وہ گہری نیند میں جاتی اور چھوٹے بڑے اوٹ پٹانگ خواب دیکھتی رہی۔ چائے کی پیالی تپائی پر رکھی رکھی سرد ہو گئی۔

آخر جب دھوپ شیشوں میں سے چھن کر اس کے منہ پر پڑنے لگی تو وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی، بیٹھے بیٹھے نقاہت سے دو جمائیاں لیں اور اٹھ کر دریچے کے پٹ کھول دیے۔ انگڑائی کے لیے اٹھتے ہوئے اس کے بازو ہوا میں ہی رک گئے اور وہ ٹھٹک کر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

سامنے بے حد خوبصورت دن تھا۔ زمین اور آسمان جیسے ابھی ابھی دھو کر پھیلائے گئے تھے۔ فضا میں کوئی غبار، کوئی دھند نہ تھی، بادل کا ہلکا سا سایہ بھی نہ تھا۔ آسمان گہرا نیلا اور زمین سرسبز تھی اور فضا میں دھوپ کے رنگ تھے۔ سبزے پر سے نمی کی بھاپ آہستہ آہستہ اٹھ رہی تھی۔ درختوں کے پتوں پر رکا ہوا بارش کا پانی ہوا کے ساتھ قطرہ قطرہ گر رہا تھا۔ چمکدار دھوپ سارے دن میں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور درختوں کے بیچ پرندے ایک دوسرے کے تعاقب میں اڑ رہے تھے۔ پرندے ہر قسم کے تھے اور ایک ساتھ بول رہے تھے اور پتا نہیں چلتا تھا کہ کون کون سی آواز کس کس کی تھی۔ مگر آوازوں کا وہ سیلاب سننے والے پر یکبارگی ایک بے حد واضح تاثر چھوڑتا تھا، مسرت کا تاثر، کہ وہ مسرور تھے اور خوشی میں بول رہے تھے۔ دھوپ لحظہ بہ لحظہ تیز تر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور

UrduPhoto.com

زمین کے مختلف رنگ ابھر رہے تھے: گیلے سرخ راستے' نیلگوں سڑک' مٹیالی پگڈنڈیاں' ایک سرخ گھوڑا اور اس کی رنگین گاڑی' براؤن سپینیل کتا جو مسخروں کی طرح تتلیوں کے پیچھے بھاگ رہا تھا' اور سینکڑوں رنگوں کی تتلیاں جو مسرور شرابیوں کی مانند لڑکھڑاتی ہوئی اڑ رہی تھیں۔ اور چمکتا ہوا سفید آنکھوں کو چندھیا دینے والا راج ہنسوں کا جوڑا جو شاہانہ وقار سے چلا جا رہا تھا' جن کے پروں پر پانی کے قطرے رکے ہوئے تھے جن میں دھوپ کے رنگ جھلملا رہے تھے۔ نجمی نے اس چمکدار روشن دن کے حسن کو دم بخود ہو کر دیکھا اور دو چار لمبے لمبے سانس لیے۔

''یہ ایسا دن ہے۔ یہ ایسا دن ہے۔'' اس نے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ ''میں دیکھ سکتی ہوں۔ میں دیکھ رہی ہوں۔ ٹھیک ہے۔'' اس نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا اور میز پر سے برش اور رنگ اٹھا کر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی۔

یہ نجمی تھی جو حال ہی میں انٹر کے امتحان سے فارغ ہوئی تھی اور آج کل بقول عمران کے عیش کر رہی تھی لیکن عمران کی ذہنی سطح سے ذرا اوپر اٹھ کر دیکھا جاتا تو نجمی ایسے لوگوں میں سے تھی جن کے لیے عیش کا لفظ بے معنی اور گھٹیا ہوتا ہے۔ وہ احساس کی اوپری سطح پر زندہ تھی۔ عمران اور اس طرح کے دوسرے لوگوں کے لیے اس کے دل میں محض ایک ہلکی خاموش حقارت کا جذبہ تھا۔ وہ ان سب کو ایسے لوگوں میں شمار کرتی تھی جو [illegible] زندگی کی نچلی سطح پر کمینے پن کے سکون اور قناعت کے ساتھ رہے چلے جاتے ہیں' جو چھوٹی بڑی آسائشوں کے حصول کی خاطر لاتعداد اندیشے [illegible] واسطہ نہیں رکھتے اور بالآخر فقط قنوطی پن کے سوا کسی چیز کے قابل نہیں رہتے۔ جو دائمی گمنام عمریت کو زندگی کی تمام کاوشوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

وہ خود مختلف طور پر سوچتی اور محسوس کرتی تھی۔ اب وہ چند سال پہلے کی چھوٹی سی لڑکی نہ تھی جو اپنے اردگرد کی تقریباً ہر جاندار اور بے جان شے کو محسوس کر کے حیرت زدہ ہو جایا کرتی تھی اور جس کی متغیر طبیعت کے ہاتھوں سارے گھر والے نالاں تھے۔ اب بھی کبھی کبھی کوئی دلفریب منظر یا انوکھا واقعہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں وہی کنواری' اچھوتی حیرت جھلکنے لگتی تھی لیکن یہ محض اس کا احساس تھا جس میں سے کہ اب لاعلمی اور صدمے کا تاثر خارج ہو چکا تھا۔ اس کا انتہائی حساس ذہن بار بار جھٹکے کھا کر اب ٹھہر چکا تھا اور آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ اب اس نے اپنے آس پاس کی ہر جاندار اور بے جان شے کے ردعمل کو دیکھ کر اور جان کر قبول کر لیا تھا اور محض اسی کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگی تھی۔ وہ اپنی عمر سے زیادہ سنجیدہ اور کم گو تھی۔

اور تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ یہ سب جانتی تھی۔ یہ اس قدر واضح طور پر اس کے علم میں تھا کہ وہ ان سب سے مختلف ہے' کہ اس کی زندگی ان سب کی زندگیوں سے الگ ہے' کہ اس کی دنیا ان کی دنیاؤں سے مختلف سطح پر آباد ہے۔ اور یہ سب کچھ اس نے اتنی مایوسی' اتنی دل شکنی کے بعد جانا تھا۔ وہ ساری دوستیاں جو اس نے لگائیں اور ختم ہو گئیں' وہ تمام اچھے اور پیارے لوگ جنہوں نے اسے سخت مایوس کیا' جو اس قدر معمولی اور نالائق نکلے اور اسے

چھوڑ گئے۔ اس کے ذہن کے آس پاس دور دور تک انسانی آبادی یا کسی ہمسائیگی کا نشان تک نہ تھا۔ گو وہ اب بھی ان سب سے بغیر کسی تعصب کے ملتی جلتی تھی کہ فی الحقیقت وہ کسی طاقتور منفی جذبے کی اہل نہ تھی' لیکن وہ جانتی تھی کہ ان کے ساتھ کبھی نہ رہ سکتی تھی' کہ وہ وہ مختلف اکائیاں تھیں جو مختلف سطح پر تخلیق کی گئی تھیں۔ اپنی غیر آباد ذہنی بلندی پر سے وہ ان کو حسرت' پیار' شفقت اور حقارت سے دیکھتی ہوئی شدید احساس تنہائی کے ساتھ رہ رہی تھی۔ اس کو تنہا اور خاموش دیکھ کر اداسی کا نہیں' بزرگی کا احساس ہوتا تھا' اور اس کے بعد اس کا بڑا سا سر' نو عمر آنکھیں اور نازک خوبصورت جسم دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ روشن آغا اس سے ویسی ہی محبت کرتے تھے جیسی عذرا سے' اس کی ماں اس سے اتنا ہی دور تھی جتنا اپنے دوسرے بچوں سے۔ گھر بھر میں بس عذرا ہی ایک تھی جس سے وہ مکمل ذہنی اطمینان اور فطری پن کے ساتھ ملتی تھی کیونکہ اس نے کبھی اس سے ان تمام غیر معمولی صفات کی امید نہ رکھی تھی جن کی وہ دوسرے سب لوگوں سے متوقع تھی۔ وہ اس کے لیے شفقت اور مہربانی کا ایسا دریا تھی جو گدلا اور کنارا پھوں ہونے کے باوجود ماہی گیروں' مچھلیوں اور لاکھوں فصلوں کی زندگی کا سبب بنتا ہے۔ کبھی کبھی جب اچانک اس کا جی مر جانے کو چاہتا تو وہ عذرا کی گود میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگتی تھی۔

کالج میں وہ تاریخ اور معاشیات کے علاوہ موسیقی اور آرٹ پڑھتی تھی۔ تصویر کشی ایک جذبے کی طرح اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ روشن محل میں ہر تیسرے مہینے وہ کمرہ تبدیل کرتی تھی۔ بیٹھے بیٹھے اچانک ایک روز اسے خیال آتا کہ [illegible] چھوڑے وہ صرف اپنے کینوس اٹھا کر برآمدے میں نکل آتی اور روشن محل کا سارا عملہ اس کے لیے نیا کمرہ سجانے میں مصروف ہو جاتا۔

اس خوبصورت صبح کو وہ برآمدے کے کونے میں سٹول پر بیٹھی بے حد انہماک سے منظر کشی میں مصروف تھی کہ اس کی اکلوتی عزیز دوست کفی بھاگتی ہوئی آ کر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

''اوہ۔ ہاؤ۔ کس قدر گرمی ہے۔'' اس نے دوپٹے کے پلو سے ہوا کرتے ہوئے کہا اور اپنے کیچڑ سے لت پت جوتے اتارنے لگی۔

''اوہو ہو۔ کیا حبس ہو رہا ہے۔'' اس نے دوبارہ کنکھیوں سے نجمی کو دیکھا جو تصویر میں غرق تھی۔ ''فوہ۔ فوہ۔''

نجمی نے کوئی دھیان نہ دیا۔

''اللہ توبہ کیا چکر میں ہمیں یہ لڑکیاں۔'' کفی نے جل کر بولی'' ارر کماری نجمی بیگم چشو پادھیائے صاحب' اگر آپ نے میری طرف توجہ نہ دی تو میں جوتے لے کر اوپر آ جاؤں گی اور آپ کے آرٹ میں حرج واقع......''

نجمی بوکھلا گئی۔ ''ارر اوہ۔ ارے ہائے کفی تم کب سے۔''

''ٹھیک ٹھیک تو یاد نہیں کم و بیش بیس سال سے ہوں۔''

نجمی بے خیالی سے اسے دیکھتی رہی۔

''اور اس وقت پھر موسم کے بارے میں عرض کر رہی تھی۔''

''اوہ۔ ہاؤ سِلی نے ڈیئر'' عجمی نے کہا۔ ''اچھا معاف کر دو۔'' ''تم نے کوئی نظم لکھی؟''

''اس گرمی میں۔''

عجمی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''گرمی پر ہی لکھ دو، ایسا خوبصورت دن ہے۔''

''اچھا تو سنو۔''

''اور جوتا جوتا۔'' عجمی چلائی۔ نے نے جلدی سے جا کر ایک جوتا، جو پاؤں میں ہی رہ گیا تھا، اتار دیا۔

''سنو۔'' پھر اس کے پاس فرش پر بیٹھ کر اس نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا:

''ہوا، جو درختوں کی سانس تھی، گزشتہ رات کی بارش میں گھل گئی۔

اب درخت قبرستان کے کتبوں کی طرح ساکت کھڑے ہیں۔

اور میں اپنی سانسوں سے انہیں زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں

میں اپنی تمام سانسوں سے ایک پتا بھی نہیں ہلا سکتی۔

کیونکہ میں دل شکستہ ہوں اور میری زندگی کا زور ٹوٹ چکا ہے۔''

''اُف چپ کرو۔'' عجمی بے اختیار ہنستے ہوئے بولی۔ ''تم شاعر ہو۔''

''[illegible] تلاش کی ہے کہ ایزل

اور برش لے اور تصویر بنا کے رکھ دی۔ شاعری کی بڑی منزلیں تمہیں کماری ہیں۔''

''اچھا بھائی مانا کہ تم بڑی منزل میں ہو۔'' عجمی نے کہا۔ ''یہ تصویر دیکھو۔''

نے نے آنکھیں سکیڑ کر، ہاتھ کا سایہ کر کے کئی بار تمسخر سے اوپر نیچے دیکھا اور کندھے اچکا کر بولی:

''معمولی ہے۔''

''سامنے والا منظر ہے۔'' عجمی نے بتایا۔

''اچھا؟'' نے نے بے حد اچنبھے سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔ ''بھئی مسخرہ پن مت کرو۔'' عجمی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''آج سویرے سویرے مجھے ایسا لگا کہ یہ دنیا کا حسین ترین دن ہے جو طلوع ہوا ہے۔ جانے تمہیں نے پہلے بھی دن ایسے ہی نکلتا ہو گا لیکن آج رات بھر بارش کا شور سن کر میں ایسے دن کی توقع نہیں کر رہی تھی سویرے سویرے راج ہنسوں نے بول بول کر مجھے جگا دیا اور جب میں نے کھڑکی کھولی تو کیا بتاؤں نے ڈیئر کہ درختوں پر سارے پرندے بول رہے تھے اور ان کی آوازیں اور سامنے کا سارا منظر میری آنکھوں میں کھب گیا۔ پتا ہے برمن جی کہتے ہیں کہ اگر آپ آنکھیں بند کر کے منظر کی ایک ایک چیز کو واضح طور پر دیکھ سکتے ہوں تو جان لیں کہ وہ تصویر بنانے کے قابل ہے۔ اور نے ڈیئر مانو کہ جب میں نے آنکھیں بند کیں تو سبزے پر سے بھاپ کو اٹھتے ہوئے دیکھا، اور پتوں پر رکے ہوئے قطروں کو ہوا کے ساتھ نیچے گرتے ہوئے اور پرندوں کو ایک دوسرے

کے پیچھے اڑتے ہوئے اور...... ہائے فے اب بھی حالانکہ صبح گزر چکی ہے۔ اب بھی۔''

''اچھا؟'' فے نے سچ مچ حیرت سے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ ''تب تو جلدی سے اسے بنا ڈالو۔''

''ہاں اور تم نظم لکھو۔ یہ تخلیق کا دن ہے۔''

''مجھے بھوک لگی ہے۔'' فے نے منہ لٹکا کر کہا۔

گیلی بجری پر قدموں کی آواز سن کر وہ چونک پڑیں۔ عمران ڈریسنگ گون پہنے جمائیاں لے رہا تھا اور اس کے ساتھ خالد حسب معمول فے کو تنگ کرنے کے منصوبے بناتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ ''مجھے جاپانی ناموں سے عشق ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''مثلاً فے کی ماشا یا فے می گوشا یا فے۔ ارے باپ رے یہاں تو فے اور نجمی تشریف رکھتی ہیں۔ صبح بخیر بیبیو۔ ہم آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہوئے؟''

فے نے جھگڑے سے ڈرتے ہوئے بڑے اخلاق سے سلام کا جواب دیا۔

''خیر کوئی حرج نہیں۔ میں ایچ کو یہی بتا رہا تھا۔'' خالد نے کہا۔ ''کہ مجھے جاپانی ناموں سے بے حد عقیدت ہے۔ اور جاپانی شاعری سے۔''

''یہاں کوئی جاپانی شاعری نہیں کرتا۔''

''بھی اصحاب کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ۔''

''[illegible]''

''آپ یقیناً کرتی ہیں۔''

وہ شپٹا گئی۔ ''ارے ہائے نجمی میں کب جاپانی شاعری کرتی ہوں۔''

''بھئی خالد اب فے کو تنگ مت کرو۔'' نجمی نے کہا۔

''لیکن یہ حقیقت ہے نجمی کہ مجھے جاپانی شاعری سے عشق ہے۔ مثلاً وہی والی نظم جو خزاں کے بارے میں فے نے لکھی تھی ایک دم جاپانی تھی۔''

''کب جاپانی تھی۔'' فے جوش میں آ کر بولی۔ ''وہ تو برمن جی کی بھی رائے ہے کہ بے حد اوریجنل تھی۔''

''جاپانی شاعری بھی اوریجنل ہے بلکہ اورینٹل ہے۔'' خالد نے کہا۔

''بس بھی پتا ہے آپ کو۔'' فے نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ''چینی شاعری اورینٹل ہے اور چینی سے زیادہ ہندوستانی۔''

''نہیں فے ڈیئر ہندوستانی سے زیادہ چینی۔'' نجمی نے کہا۔

''ہیں؟ یعنی ہندوستانی شاعری۔'' وہ لڑائی پر آمادہ تھی۔

''بھئی میرا مطلب ہے کہ جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے چینی شاعری زیادہ قدیم ہے۔ ویسے خیال

تمہاری نظم کا بھی اوریجنل ہو سکتا ہے۔''

''وہ تو ہی ہے۔'' نے نے بحث کرتے ہوئے کہا۔ ''بہر حال جاپانی شاعری قطعی اوریجنل نہیں بلکہ بکواس ہے۔''

''ارے رے دیکھو بھئی نے، تمہاری نظم اوریجنل تھی چاہے کوئی بھی نقل تھی۔'' خالد نے انگلی اٹھا کر کہا۔

''پر جاپانی شاعری کے متعلق کچھ کہا تو لڑائی ہو جائے گی۔''

''تو ہو جائے لڑائی۔''

''تھ تھ تھ یعنی کس قدر ان لیڈی لائک رویہ ہے آپ کا فہمیدہ بیگم، تھ تھ تھ حد ہے بھئی۔''

''درست ہے بالکل۔ آپ کو شاعری کا کیا پتا۔''

جماہیاں لیتے لیتے اکتا کر عمران نے پوچھا۔ ''آپ ناشتے پر نہیں آئیں بی بی۔ پپا پوچھ رہے تھے۔''

''ارے کیا بتاؤں ابھی تو [illegible] ہے۔ کچھ بھی نہیں کیا۔ روشن آغا بھی تھے؟''

''ہاں۔''

آخر جب لڑائی شدت اختیار کر گئی تو نجمی اور عمران نے ڈپٹ کر خالد سے چپ رہنے کو کہا۔

[illegible]

''یہ ذاتی معاملہ کسی کا نہیں ہے۔'' نے چیخ کر بولی۔ ''عجیب مسخرہ پن ہے۔''

لے دے کے دونوں میں صلح صفائی کروائی گئی۔ دوپہر کے کھانے تک وہ چاروں برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھے کاہلی سے باتیں کرتے رہے۔ کبھی کبھی خالد کوئی لطیفہ سنا کر ان کو ہنسا دیتا یا نے کو منانے کی کوشش میں سنجیدہ اور دردناک لہجے میں اس کی کوئی نظم گنگنانے لگتا۔ کھانے کی میز پر پرویز نے نے کا پھولا ہوا منہ دیکھ کر پوچھا۔

''آج پھر فہمیدہ بیگم اور خالد میں لڑائی ہو گئی۔'' وہ ہمیشہ نے کا پورا نام لیا کرتا تھا۔

''ہاں پپا۔'' عمران نے پلیٹ میں چاول اکٹھے کرتے ہوئے کہا۔

خالد بوکھلا گیا۔ ''نہیں انکل میں تو کہہ رہا تھا کہ جاپانی شاعری میں قنوطیت ذرا بھی نہیں ہے اس لیے مجھے پسند ہے اور نے کی شاعری میں اس قدر......''

''پھر تم ایسی دردناک آواز میں اس کی نظم کیوں گا رہے تھے؟'' نجمی نے جلدی سے کہا۔

وہ اور زیادہ بوکھلا گیا۔ ''ارر میرا مطلب ہے کہ نے کی شاعری میں بھی نہیں ہے۔ یعنی مجھے پسند ہے۔''

سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

کھانے کے بعد جانے کیسے مذہب اور کلچر پر بحث چل نکلی جو کہ خالد کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اس کا پرانا نظریہ تھا کہ مذہب اور کلچر کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔ جس نظریے سے کہ باقی سب کو اختلاف رائے تھا۔ نے جو

UrduPhoto.com

اس کی مخالفت کا ٹھیکہ لیے بیٹھی تھی' بڑھ چڑھ کر بحث میں حصہ لے رہی تھی۔

خالد نے محض کتابیں پڑھ پڑھ کر اپنے نظریات بنا لیے ہیں حالانکہ یہ ایسا موضوع ہے جس کے لیے قوموں بلکہ طبقوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔''

''جھگڑو نہیں بھئی۔'' پرویز نے سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا۔ ''آپ دونوں کا ذاتی اختلاف ہوگا' لیکن یہ حقیقت ہے خالد کہ قوموں کی تہذیب ان کے مذاہب سے براہ راست اثر لیتی ہے۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی تہذیبیں بڑے بڑے مذاہب پر قائم ہیں۔ یورپ میں دیکھو......''

''جی ہاں یورپ کو ہی لے لیجیے۔'' خالد نے بات کاٹ کر کہا۔ ''یورپ کے عیسائی کیا اسی طرح رہتے ہیں جیسے ہندوستان یا چین کے؟ یہاں پر زیادہ تر عیسائی گلیاں صاف کرتے ہیں۔ کیا ان کی تہذیب وہی ہے جو انگلستان کے بادشاہ کی ہے؟''

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کی تہذیب کا دارومدار محض طبقاتی تقسیم پر ہے۔'' [illegible] نے کہا۔

''محض طبقاتی تقسیم پر نہیں ہے' لیکن تہذیب کی تشکیل میں کسی جماعت کے معاشی حالات اور وسائل کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔''

''یہ درست ہے۔'' عذرا نے' جو نعیم کے ساتھ کھانا کھا کر ان کے پاس آ بیٹھی تھی' کہا۔ ''ہر ایک معاشرے کا [illegible] اور ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذہب ایک دائمی شے ہے اور تہذیب جو ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے اس پر قائم نہیں کی جا سکتی۔''

نعیم نے پرویز کی حمایت میں بولنا چاہا لیکن عذرا کے خیال سے سر کو خفیف سی غیر یقینی جنبش دے کر رہ گیا۔ اس پر [illegible] تیز ہو کر بولی: ''کیا آپ مذہب کو ایک مکمل ضابطہ حیات نہیں مانتے؟ بتائیے جب اول اول انسانوں کی گروہ بندی ہوئی تھی تو مذہب کی بنا پر نہیں ہوئی تھی؟ اور پھر آپ تہذیب اور تمدن اور سب چیز کو ملا جلا کر سراسر کنفیوژن پھیلا رہے ہیں۔ آپ کے پاس کوئی واضح تصور ہی نہیں ہے۔ کلچر بالکل دوسری بات ہے۔''

''جی نہیں۔'' خالد نے کہا۔ ''نوع انسانی کی گروہ بندی علاقائی حدود کی بنا پر ہوئی تھی۔''

''وہ تو جب تھی جب لوگ غاروں میں رہا کرتے تھے۔ جب تہذیب کی روشنی پھیلی تو منظم گروہ بندی محض مذہب کی بنیاد پر ہوئی' جب علاقائی حد بندی کا تصور ختم ہو گیا' جب دو مختلف گاؤں میں رہنے والے دو شخص بھائی بھائی تھے محض اس وجہ سے کہ ایک مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔''

''یہی تو فرق ہے بھئی کہ آپ کے پاس کلچر کا بڑا غلط تصور ہے۔'' عذرا نے جلدی جلدی کہنا شروع کیا۔ ''یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ دو آدمی' جن کا آپ نے ذکر کیا ہے' جب ملیں تو ایک دوسرے کے رہن سہن کے طریقے کو پسند نہ کریں' یا ایک دوسرے کی خوراک اور پوشاک کو اہمیت نہ دیں' یا ایک دوسرے کی موسیقی کو محض خوش خلقی کی

UrduPhoto.com

بنا پر برداشت کریں۔''

''اور یہ سراسر علاقائی حدود پر منحصر ہے۔'' خالد نے کہا۔ ''ہندوستان ہی کو لیجیے۔ شمال کے لوگ بلند و بالا اور گورے چٹے ہیں' ان کی سوسائٹی میں بہادری اور جوانمردی کا بول بالا ہے' ان کے مشاغل شہسواری اور نشانہ بازی ہیں اور خوراک گوشت ہے۔ جوں جوں آپ جنوب کی طرف آتے ہیں لوگوں کے قد چھوٹے اور جلد سانولی ہوتی جاتی ہے' ان کی خوراک مرچوں کا سالن اور سبزیاں ہوتی ہیں اور وہ مزاج کے تیز' بزدل اور ذہین ہوتے جاتے ہیں۔ شمال مغربی صوبوں کا ایک مسلمان بمبئی کے مسلمان کے گھر جا کر اپنے آپ کو اجنبی پاتا ہے۔ کیوں؟ انگلستان کو دیکھیں۔ انہوں نے ریاست کو مذہب سے الگ کر دیا ہے' کیوں؟ کہ ریاست میں ان کا کلچر ہے۔''

''وہ مادہ پرستی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔'' نے نے کہا۔

''چارہ کیوں نہیں .... ہاں کیوں نہیں۔''

پرویز نے بولنا چاہا لیکن اس کی آواز تین چار آوازوں میں دب کر رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اور اس کی بیوی اکتا کر اٹھ گئے۔ عذرا نے جب دیکھا کہ بحث وحث کوئی کرنا نہیں چاہتا [illegible] دھاندلی کر رہے ہیں تو وہ بھی اٹھ کر نعیم کے پاس چلی گئی۔ اس کے بعد جو بحث کا ستیاناس ہوا اور جو غدر مچا تو کسی کو ہوش نہ رہا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے اور خوش خلقی کس بلا کا نام [illegible] ایک دوسرے پر کند [illegible] نخرے پن کے الزامات لگ [illegible] اور موسیقی اور فلمی گانے اور فلمیں اور ایکٹر ایکٹریسیں اور ان کی ذاتی زندگی کے واقعات پر جا کر ختم ہوا۔ جب پھر کی چائے کے لیے سب اکٹھے ہوئے تو باتیں کر کر کے تھک چکے تھے۔ خاموشی سے اونگھتے ہوئے انہوں نے چائے ختم کی۔ پھر خالد اور عمران اٹھ کر باہر جانے کی تیاری کرنے لگے اور نجمی اور نے نامکمل تصویر کی طرف بڑھیں۔

''نے تم کو گھر جانا ہو تو ہم اسی طرف جا رہے ہیں۔'' خالد نے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں بھئی شکریہ۔ میں بعد میں جاؤں گی۔'' نے نے اخلاق سے جواب دیا۔

''آج آپ سارے دن کے لیے روشن محل میں مدعو ہیں؟''

نے نے اَن سنی ان سنی کر دی۔ دونوں لڑکے بجری کی گیلی سڑک پر گیٹ کی طرف بڑھے۔

''خالد اس فال میں ہم دار جلنگ جا رہے ہیں۔'' نجمی نے برآمدے میں سے چلا کر بتایا۔

''کیوں ابھی ......''

''اماں گولی مارو یار فال کو ......'' عمران نے جھلا کر کہا۔

''مبارک ہو۔'' خالد گیٹ پر سے ہاتھ ہلا کر چلایا۔ ''اب کہاں چلیں؟''

''بلیرڈ۔''

دونوں لمبے لمبے قدم رکھتے یونیورسٹی کلب کی طرف چلے گئے۔

جب نے اس کے آپس سے اٹھ کر گئی تو وہ ابھی تصویر بنا رہی تھی۔ کینوس پر کام کرتے کرتے دفعتاً اس کو پرانے جانے پہچانے احساسِ تنہائی نے گھیر لیا۔ اس نے سوچا کہ صبح سے لے کر شام تک وہ اجنبی لوگوں میں گھری رہی تھی' کہ وہ بیکار ان کے ساتھ سر کھپاتی رہی تھی' وہ ان میں سے نہیں تھی۔ اس نے برش ایک طرف رکھ کر مشرق کی سمت دیکھا جہاں پر رات شروع ہو رہی تھی۔ پھر اس نے انتہائی مایوسی سے تصویر کو دیکھا اور اس کا جی چاہا کہ زور زور سے روئے۔ سارے دن میں اس نے محض چند لکیریں کھینچیں تھیں۔ روشن محل کے تمام نوکر ایک ایک دفعہ آ کر اس کو دیکھ گئے۔ وہ دیر تک لوہے کی ریلنگ پر جھکی رہی اور تنہائی اور یاس کے سائے اس کے اردگرد پھیلتے گئے۔

(۳۶)

وہ ایک غیر معمولی گرم شام تھی جب وہ سب گھاس پر کرسیاں بچھائے تاش کھیل رہے تھے۔ برج کا محور پرویز تھا جو دو ماہ کی تعطیل پر تھا۔ جس روز اس کی بیوی اسے کلب نہ جانے دیتی وہ روشن محل میں ہی ایک برج کھیلنے والے کو اکٹھا کر کے رات تک کھیلتا رہتا۔ صرف برج ہی ایک ایسی سازش تھی جس میں وہ اپنے [illegible] عمر والوں کو شامل کرتا' روشن [illegible] پیچھے [illegible] لے جا کر آئس کریم کھلاتا یا [illegible] لے جاتا۔

دن کی آخری زرد دھوپ درختوں کی چوٹیوں پر پڑ رہی تھی جب خالد نے کھیلتے کھیلتے تھک کر انگڑائی لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ریاض جو اس کے پیچھے بیٹھا تھا لپک کر اس کی جگہ پر جا بیٹھا۔

''حساب دیکھ کے جاؤ میاں۔'' پرویز نے کہا۔ ''ذرا سکور بورڈ دکھانا۔''

''جا کب رہا ہوں انکل۔'' خالد نے اکتا کر کہا اور میز پر سے شربت کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ ایک سانس میں شربت ختم کر کے اس نے ہاتھ کی پشت سے منہ پونچھا اور سبزے میں سے اٹھتے ہوئے گرم' مرطوب بخارات کو ٹانگوں پر محسوس کیا۔ وہاں کھڑے کھڑے خالی گلاس کو انگلی سے گھماتے ہوئے دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ نجمی وہاں نہیں تھی۔

''نجمی! نجمی!!'' اس نے مڑ کر سب پر نظر ڈالی اور سبزے کے کنارے کنارے چلنے لگا۔

وہ روشن محل کے پچھواڑے یوکلپٹس کے چھوٹے سے مصنوعی جنگل میں درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی' خالد کو دیکھ کر چونک پڑی۔

''غروب آفتاب دیکھا جا رہا ہے۔'' خالد نے کہا۔

اس نے ایک لمحہ خالد کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا اور مسکرا پڑی۔ ''شام کا انتظار کر رہی ہوں۔ بعض دفعہ

UrduPhoto.com

گرمیوں کی شامیں بڑی خوبصورت ہوتی ہیں۔

وہ خاموش رہا۔

''کھیل ختم ہو گیا؟''

''نہیں''۔

''تم آج مستقل ہار ہے۔'' وہ ہنسی۔

''ہاں۔''

اس نے تردد سے خالد کے خاموش، پر اشتیاق چہرے کو دیکھا۔ ''بیٹھو۔''

وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر انگلیاں بجانے لگا۔ اس کو اس قدر خاموش پا کر وہ دفعتاً پریشان ہو گئی۔

''کس قدر گرمی ہے۔'' اس نے سکارف سے پیشانی کا پسینہ جذب کرتے ہوئے کہا۔ ''تم پہاڑ پر کیوں نہیں گئے خالد؟''

''آپ لوگ جو نہیں گئے۔''

''ہمارے ہاں چند برس ہوئے ایک فال میں میں روشن آغا کے ساتھ دارجلنگ سے گزری تھی۔ میں تمہیں کیا بتاؤں خالد کہ وہاں پر خزاں کا موسم کیسا دلکش ہوتا ہے۔ اس قدر رنگین۔ میں نے دیکھا کہ سینکڑوں قسم کے درخت [illegible] ایک ایک رنگ [illegible] پتے ہیں [illegible] سرخ، زرد اور ارغوانی ہوتے ہیں۔ ایک جھنڈ میں تو آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ پتوں کا رنگ قرمزی تھا اور ان پر شام کی دھوپ پڑ رہی تھی اور وہ منور ہو رہے تھے اور زمین پتوں میں چھپی ہوئی تھی۔ جوں جوں ہم آگے بڑھتے گئے رنگ تبدیل ہوتے گئے۔ رنگ ہی رنگ۔ میں تصویریں بنانا چاہتی تھی لیکن ہم شیلانگ جا رہے تھے جہاں روشن آغا کو ایک کانفرنس میں شرکت کرنا تھی۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ ہم کئی سال تک جا ہی نہ سکے۔ اب کے روشن آغا نے کہا کہ یا آپ گرمیوں میں مسوری جائیے یا فال میں دارجلنگ، سارا وقت آپ دلی سے باہر نہیں رہ سکتیں۔ اب سوچتی ہوں کہ غلطی کی، یہاں گرمی میں مر رہے ہیں۔''

وہ خاموش بیٹھا پتھر پر انگلیاں بجاتا رہا۔

''ارے تم منہ پھلائے کیوں بیٹھے ہو؟'' عجمی نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

خالد نے ایک لمبا سوالیہ 'ہوں؟' کیا۔

''سگریٹ کے لیے پیسے نہیں ہیں؟''

''ہیں۔'' اس نے فوراً کہا اور سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔ عجمی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اس نے پھر اپنا انچیوں والا رویہ جاری رکھنا چاہا مگر عجمی کو ابرو اٹھائے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر گھبرا گیا۔

''اوہ۔ نہیں تو..... میں.....'' اس نے کوشش کر کے اپنے آپ پر قابو پایا۔ ''میں سمجھا اب آپ مصوری پر ایک لیکچر دیں گی۔''

نجمی کے ابرو کانپے۔ ''میں تو خود اس موضوع سے احتراز کرتی ہوں جس کے متعلق لوگ کچھ نہ جانتے ہوں۔''

خالد اسی طرح بیٹھا خاموش پر اشتیاق چہرے سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ خاموش ہو گئی تھی اور رنجیدہ جذبات اس کے دل کو زخمی کر رہے تھے۔ شام کی گرم مرطوب ہوا ان کے سروں پر ٹھہری ہوئی تھی جس میں گیلی مٹی اور یوکلپٹس کے پتوں کی بو تھی۔

آخر اس نے سگریٹ کی راکھ جھاڑی اور جھک کر بیٹھ گیا۔ ''یہ سچ ہے نجمی کہ میں مصوری کے متعلق کچھ نہیں جانتا لیکن۔ میں محض تمہاری وجہ سے پہاڑ پر نہیں گیا۔''

''میری وجہ سے؟'' نجمی نے سانس روک کر پوچھا۔

''ہاں۔ تم جو نہیں گئیں۔'' اس نے اسی اداس قطعی لہجے میں کہا۔

نجمی آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی۔ خالد کی آنکھوں میں بے پایاں نرمی اور اداسی دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں نو عمری کے جذبات مچلے جنہوں نے اسے پریشان کر دیا۔ نو عمر کنوارے جذبات جو محبت کرنے والے [illegible] جو محبت [illegible] سے عاری جذبے جو پہلی دفعہ اپنے سامنے پا کر ٹھٹک جاتے ہیں اور رونگٹوں میں بے ساختگی پیدا کر دیتے ہیں۔ نجمی نے گھبرا کر نظریں اس پر سے ہٹا لیں اور ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ خالد اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''کیا یہ کافی نہیں ہے نجمی؟'' اس نے جذبات سے الجھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ''بیٹھ جاؤ۔ تم مجھے پریشان کر رہے ہو؟''

اس کے قریب زمین پر بیٹھ کر وہ پتوں کو مٹھی میں لے کر مسلنے لگا۔

''تم..... کیا کہنا چاہتے ہو؟'' نجمی نے دوسری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اگلے لمحے وہ دل میں سوال کے کمینے پن پر ہنسی۔

''میں شاعری نہیں کر سکتا' نجمی تصویریں نہیں بنا سکتا۔ لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟''

''محبت؟'' نجمی نے ٹھٹک کر دہرایا۔ مغرب کی سرخی جہاں سورج غروب ہو چکا تھا' ان کے چہروں پر پڑ رہی تھی اور وہ طوفان میں گھرے ہوئے دو پرندوں کی مانند پاس پاس بیٹھے تھے۔ بڑی دیر کے بعد ہوا کا ایک جھونکا کہیں سے آیا اور ان کے سروں پر ٹھہری ہوئی بھاری ہوا کو اڑا کر لے گیا۔ ایک گلہری دونوں اگلے پنجے اٹھائے غور سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یوکلپٹس کا ایک پتا اس کے سر پر گرا اور وہ چھلانگ لگا کر بھاگ گئی۔

UrduPhoto.com